جامعہ حفصہؓ کی انتظامیہ اور حکومت کی خدمت میں

تحریر: ڈاکٹر اسرار احمد (بانی تنظیم اسلامی)

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد سمیت پورے ملک کی فضا جامعہ حفصہؓ اور حکومت کے مابین جاری تنازعے کی وجہ سے انتہائی تناؤ کا شکار ہے اور اس تناؤ میں کمی کی بجائے روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تنازعہ کچھ عرصہ قبل اسلام آباد میں حکومت کی جانب سے بعض مساجد کی شہادتوں کے بعد شروع ہوا ہے، جس کے بعد جامعہ حفصہؓ کی طالبات نے ایک پبلک لائبریری پر قبضہ جما لیا ہے جو تا حال جاری ہے۔ حکومت کا موقف ہے کہ شہید کی جانے والی مساجد قبضے کی اراضی پر تعمیر تھیں جبکہ دوسرے فریق کا موقف حکومتی موقف کی کامل نفی پر مبنی ہے۔ بعد ازاں حکومت کی جانب سے کچھ مساجد کے بارے میں یہ موقف بھی سامنے آیا کہ وہ انہیں دوبارہ تعمیر کرائے گی اور وفاقی وزیر اعجاز الحق کی علماء کرام کے ہمراہ ان مساجد کی دوبارہ تعمیر کے لیے سنگ بنیاد رکھتے ہوئے تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ مگر اس کے بعد بھی صورتِ حال جوں کی توں رہی اور جامعہ حفصہؓ کے منتظمین مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی کا یہ موقف سامنے آیا کہ وزیر صاحب کی ساری کارروائی محض دکھاوا تھی اور مسجدوں کے بارے میں حکومتی موقف میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ بہر حال ایک بات تو طے ہے کہ یہ تنازعہ حکومتی اقدام (Action) کا ردعمل (Reaction) ہے۔ اس تنازع کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو وہ یہ ہے کہ دونوں جانب سے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اور اس میں پہل حکومت کی جانب سے ہوئی ہے کہ اُس نے مسجدوں کو مسمار کرنے جیسے انتہائی نازک معاملے میں علماء کرام کو اعتماد میں نہیں لیا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ علماء کرام سے پوچھا جاتا کہ ناجائز اراضی پر تعمیر ہونے والی مسجد کے بارے میں شرعی احکامات کیا ہیں؟ علماء کرام کی آراء کے بعد اقدام کیا جاتا تو یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ مگر حکومت نے خود ہی مسجدوں کو شہید کرنا شروع کر دیا جس نے اس تاثر کو تقویت دی کہ دارالحکومت میں مسجدوں کی شہادت امریکی ایجنڈے کی تکمیل کا حصہ ہے اور وفاقی دارالحکومت کے نمایاں مقامات سے مساجد کو ختم کر کے پاکستان کے سیکولر سٹیٹ ہونے کے تاثر کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کے دینی مدارس اور مسجدوں کے بارے میں امریکہ اپنی منفی تاثرات کا اظہار کئی بار کر چکا ہے۔ اکثر دینی حلقے اس کارروائی کو اسی تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ اس مسئلے کے بگاڑ میں دوسرا اہم معاملہ صدر پرویز مشرف کی ''جرنیلی'' زبان کا ہے۔ گو اس جرنیلی زبان میں موجودہ عدالتی بحران کے بعد نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ مثلاً انہوں نے پہلی مرتبہ تسلیم کیا ہے کہ عدالتی بحران میں ہم سے غلطیاں ہوئیں ہیں اور ''جیو ٹی وی چینل'' کی سرکاری مشنری کے ہاتھوں توڑ پھوڑ کے بعد معافی مانگنا وغیرہ۔ مگر جامعہ حفصہؓ کے معاملے میں ان کی زبان میں ابھی تک مسئلہ بلوچستان والی درشتگی پائی جاتی ہے جو مناسب نہیں ہے۔ اگر نیب کو مطلوب افراد کو کسی وقتی مصلحت کے تحت وزارتیں دی جا سکتی ہیں تو اس اہم نازک معاملے میں اتنی سختی کیوں دکھائی جا رہی ہے؟ میری رائے میں اس مسئلے پر علماء و مشائخ کا خصوصی اجلاس بلایا جائے اور فریق ثانی سے مذاکرات کئے جائیں۔ اس کے لیے صدر پرویز مشرف کو اپنے پیش رو ہم منصب اور ہر اعتبارات سے ''ہم پلہ'' سابق صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کی مثال پیش نظر رکھنی چاہیے۔ جنہوں نے شیعہ بھائیوں کے پُرامن اور منظّم احتجاج کے نتیجے میں انہیں حکومت کے زکوٰۃ آرڈیننس سے مستثنیٰ قرار دے دینے کی ''سبکی'' برداشت کر لی...... حکومت وقت کی خدمت میں ایک اور گذارش ہے کہ وہ اُن ''نادان دوستوں'' کی تجاویز پر کان نہ دھرے، جو اس مسئلہ کے لیے آپریشن گولڈن ٹمپل اور خانہ کعبہ کا قبضہ کو چھڑانے کے لیے ہونے والی کارروائی جیسا کوئی اقدام حل قرار دے رہے ہیں۔ ایسے مشوروں سے نوازنے

والے نہ تو حکومت کے اور نہ ہی عوام کے خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ اس نوعیت کے مسئلے کا حل آپریشن نہیں ہوا کرتے۔ جامعہ حفصہؓ کے منتظمین کی خدمت میں گذارشات سے قبل راقم اپنے ایک ذاتی ضعف کا اعتراف اپنی ذمہ داری سمجھتا کہ میں نہ تو سکہ بند عالم دین ہوں اور نہ کسی مذہبی فرقہ یا جماعت کا پیشوا ہوں۔ میں صرف قرآن حکیم کا طالب علم ہوں اور اس کی روشنی اور سنت ورسولؐ کی رہنمائی میں جو کچھ سمجھا ہوں اُسے آپ کے سامنے پیش کرنے کی ہمت کر رہا ہوں اور اس امید کے ساتھ دُعا گو ہوں کہ اگر بات صحیح ہے تو اُسے ہماری رہنمائی کا ذریعہ بنا دے۔ آمین! جامعہ حفصہؓ کے منتظمین اور طالبات کے رویے کے بارے میں راقم وفاق المدارس عربیہ کے موقف کو صد فیصد درست سمجھتا ہے کہ مطالبات جائز ہیں مگر ان مطالبات کے لیے اختیار کیا جانے والا طریقہ کار غلط ہے اور میں اس طریق کار کو خلاف سنتؐ سمجھتا ہوں اور خلاف سنتؐ طریق کار کو اختیار کرنے سے ماضی میں بھی تحریکوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ ان کی ناکامی کے دو عوامل ہیں۔ پہلا عامل یہ تھا کہ ہماری مذہبی جماعتوں نے سمجھا کہ ہم نے نظام تو وہی برپا کرنا ہے جو رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا مگر اس کے لیے ان کا طریق انقلاب تو پرانا یا متروک (Out of Date) ہو چکا ہے لہٰذا اس کے بدلے انتخاب میں حصہ لے کر اسلام نافذ کیا جائے جبکہ ہمارے ہاں کا انتخابی نظام جاگیردار اور سرمایہ دار کے زیر اثر ہے اور پاکستان کی 60 سالہ تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ ایک جاگیر دار نہیں تو دوسرا جاگیردار، ایک سرمایہ دار نہیں تو دوسرا سرمایہ دار جیت جاتا ہے اور مذہبی جماعتیں اگر کوئی سیٹیں جیت بھی جاتی ہیں تو بھی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے سامنے اُن کی ایک نہیں چلتی۔ جب اس طریق سے دینی جماعتوں یا تحریکوں کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو دوسرا طریق کار تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا اور اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ بیلٹ (Ballot) اور بلٹ (Bullet) کے غلط طریقوں نے دینی تحریکوں کو کہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا تھا اس کے چھ مراحل تھے اوّل انقلابی نظریے کی تبلیغ ثانیاً انقلابی نظریے کو قبول کرنے والوں کی تنظیم سازی۔ ثالثاً انقلابی کارکنوں کی تربیت رابعاً تشدد اور تعذیب کے جواب میں صبر محض (Passive Resistance) یعنی طاقت کے حصول تک ڈٹے رہو، برداشت کرو اور کسی تشدد اور تعذیب کے جواب میں کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کرو، خامساً انقلابی کارکنوں کی مناسب تعداد مہیا ہونے اور وہ کارکن ڈسپلن کی پوری پابندی کرنے والے ہوں اور امیر سے حکم کے پابند ہو تو راست اقدام (Active Resistance) اور آخر میں براہ راست تصادم یا مسلح تصادم۔ موجودہ حالات میں بھی منہج انقلاب نبوی انطباق کا ہو سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں عمرانی ارتقاء (Social Evolution) کے تقاضوں کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا اور وہ یہ ہے انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری مرحلے یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ مذہبی تحریکوں کے کارکن بھی مسلمان ہیں تو حکمران بھی مسلمان ہیں۔ قائداعظم سے لے کر جنرل پرویز مشرف تک سبھی حکمران مسلمان ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُس زمانے میں 313 صحابہ کرامؓ رضا کار تھے تو کافروں کے ایک ہزار افراد بھی رضا کار ہی تھے یعنی دوسری جانب بھی باقاعدہ تربیت یافتہ مسلح فوج نہیں تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ اُدھر ٹینک، توپیں، میزائل اور بم ہوں اور ادھر مجاہدین صرف تلواریں یا لاٹھیاں لے کر کھڑی ہوں، چنانچہ اُس دور میں نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا صرف تعداد کا فرق تھا۔ آج عمرانی ارتقاء (Social Evolution) کے نتیجے میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ بغیر جنگ کے حکومت تبدیل کر دی جائے اور وہ یہ ہے کہ اگر پندرہ کروڑ کی آبادی کے ملک کے تین چار لاکھ تربیت یافتہ افراد اپنے امیر کی اطاعت قبول کرتے ہوئے ایک پُرامن، منظم عوامی تحریک برپا کر دیں اور دورانِ تحریک کسی سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو نقصان نہ پہنچائیں اور کسی قسم کی قانون شکنی نہ کریں۔ بلکہ اپنی جانیں دینے کو تیار رہیں جس کو راقم ''یک طرفہ جنگ'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر کسی حکومت کے خلاف اس طرح کی احتجاجی تحریک چلتی ہے تو ظاہر ہے اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ فوج گولی بھی چلا دے، لیکن پُرامن اور منظم تحریک کے نتیجے میں ایک وقت آئے گا کہ فوج ہاتھ اٹھا دے گی کہ ہم مزید اپنے ہم وطنوں کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ کوئی قابض فوج نہیں ہو گی بلکہ قومی فوج ہو گی۔ موجودہ حالات میں فحاشی کے اڈے پر طالبات کا چھاپہ ویڈیو اور سی ڈیز کے دوکانداروں کو دھمکیاں مسائل کا حل نہیں بلکہ مسائل کو جنم دینے کا باعث ہیں۔

ایسے اقدامات سے مستقبل میں دینی تحریکوں کے لیے بھی مسائل جنم لے رہے ہیں کیونکہ چند ہزار افراد کے ذریعے سے کسی معاشرے میں بدامنی تو پیدا کی جاسکتی ہے مگر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیئے جاسکتے۔ ماضی میں مسجد کے مسئلہ پر قبل از وقت اقدام کرنے والی ایک تحریک ''خاکسار'' بھی اب ایک ''یادگار'' ہی بن کر رہ گئی ہے جبکہ اس کے برعکس ایرانی عوام نے پُرامن اور منظّم تحریک کے ذریعے سے کئی سو سال سے قائم بادشاہت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ راقم اور پوری قوم جامعہ حفصہؓ کی طالبات کے جذبات کی قدر کرتی ہے مگران جذبات کو ابھی مزید سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ آج غلبہ اسلام کے لیے جذبے کی کمی نہیں ہے، لیکن صحیح لائحہ عمل پیش نظر نہ ہونے کے باعث تحریکیں ادھر اُدھر بھٹک رہی ہیں اور ان کا حال بالفعل یہ ہو گیا ہے کہ

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لیے!